وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

مسئلہ تعلیم

اور

ترکِ موالات

مرتبہ

جناب مولنا مولوی محمد اکرام اللہ خاں صاحب
فاضل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

مطبع انسٹیٹیوٹ علیگڈھ کالج میں طبع ہوا ۱۹۲۰ء ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
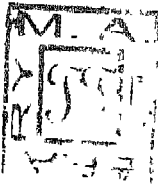
ہندوستان چونکہ ہمیشہ سے فاتح اور جنگ جو اقوام کی حوصلہ مندیوں کا جولانگاہ رہا ہی، اس لئے اس کو کسی معتدبہ زمانہ تک کبھی امن وسکون میسر نہوا۔ جب بیرونی حملہ آوروں سے نجات ملی تو خانہ جنگیوں نے اس کو مصروف رکھا ہندوستان کی کم از کم گزشتہ ہزار سالہ تاریخ اسی قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے لبریز ہی۔ انگریزی عہد حکومت میں بوجوہ ایک حد تک اس قسم کی کش مکش کا دور تو ختم ہو گیا لیکن یہاں کی مختلف قوموں کے درمیان مذہبی و قومی حیثیت سے جو کش مکش تھی وہ بدستور جاری رہی اور خاص خاص مواقع پر اس قسم کی کشاکش نے ایسی ناگوار صورتیں اختیار کیں کہ بسا اوقات ان کا خاتمہ افسوسناک نتائج یا خوں ریزی پر ہوا، ایشیا خصوصاً ہندوستان میں ہمیشہ وطنیت سے زیادہ مذہب کا جذبہ نمایاں طور پر کام کرتا رہا ہی یہ جذبہ اگر اپنے صحیح حدود سے تجاوز کر جاتا ہی تو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا ہی اور جب اپنی حدود کے اندر رہتا ہی تو نوع انسانی کو فائدہ پہونچاتا ہی اور ملک کے امن و امان میں اضافہ کرتا ہی ہندوستان کو اکثر ممالک کی بہ نسبت یہ خصوصیت حاصل ہی کہ یہاں مختلف ادیان و ملل کے حلقہ بگوش موجود

ہیں جو اپنی آبادی کی تقسیم کے لحاظ سے مختلف زبانیں بولتے ہیں، بلکہ ایک ایک صوبہ میں مختلف
زبانیں بولی جاتی ہیں اور اس اختلاف مذاہب والسنہ کا یہ اثر ہے کہ ہندوستان میں اب تک
کسی متحدہ قومیت نے نشو و نما نہیں پایا ہے اور نہ درحقیقت اہلِ ہند کا کوئی متحدہ نصب العین ہمارے
سامنے اس وقت موجود ہے۔ مذہبی جذبات و تعصبات اب بھی اپنا کام کر رہے ہیں اور عام طبقہ
آج بھی ان جذبات اور خود ساختہ رسم و رواج کا پابند ہے۔ کٹار پور و شاہ آباد کے واقعات
اس کا ثبوت ہیں کہ ہندوستان کا شیرازہ قومیت اب تک بکھرا ہوا ہے اور یہ معمولی معمولی واقعات
لوگوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر دیتے ہیں۔

مذہبی جذبہ کے بعد اگر کوئی چیز طبائع میں جوش و اشتعال پیدا کرتی ہے تو وہ سیاست
یا حبِ وطن کا جذبہ ہے۔ انگریزی عہد حکومت سے پہلے ایک زمانہ دراز سے ہندوستان کامل
شخصی اقتدار کے ماتحت زندگی بسر کرتا تھا، بادشاہ کی زبان قانون تھی اور اس کا ہر فرمان بلا
چون و چرا واجب العمل تھا اور چونکہ ان سلاطین نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا تھا اور فاتح
اقوام نے اہلِ ہند سے اختلاط پیدا کر لیا تھا اس لیئے اس وقت غیر ملکی گورنمنٹ کا کوئی سوال
ہندوستان میں نہ تھا۔ قومی مفاد یا مخصوص قومی مقاصد کا تخیل اُس وقت مفقود تھا، شخصی مفاد
پیش نظر تھا اور اس کے لیئے حکومت سے وابستگی ضروری تھی افراد کی تمام جد و جہد شخصی اغراض
ذاتی اقتدار و اعلیٰ مناصب کے لیئے تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حکومت سے وابستگی کے بعد ہر قسم کے احساسات
و جذبات حکومت کی مقتدر شخصیت میں جذب ہو جاتے تھے۔ اس طرزِ حکومت کا اثر یہ تھا کہ ملک میں
کوئی سیاسی جذبہ نہ تھا۔ بیشک بغاوت، سرکشی، خانہ جنگی کی مثالیں ہندوستان کی تاریخ میں
موجود ہیں لیکن یہ تمام جانبازیاں درحقیقت شخصی اقتدار کے حصول کے لیئے تھیں، کوئی قومی
جذبہ ان کے اندر کام نہیں کر رہا تھا۔ لیکن دولت مغلیہ کے آخر عہد حکومت میں اسلامی اقتدار
کو پامال کرنے کے لیئے غیر مسلم اقوام میں ایک جنبش پیدا ہوئی اور مرہٹوں اور سکھوں کی
وہ مشہور معرکہ آرائیاں شروع ہوئیں جن کے اندر علاوہ شخصی خواہشات کے مذہب

حبِ وطن کا جذبہ بھی اپنا کام کر رہا تھا۔ ان خانہ جنگیوں کا سلسلہ مختلف اوقات میں دولتِ مغلیہ کے آخر عہد تک جاری رہا، یہاں تک کہ انگریز ہندوستان کے پولٹیکل اسٹیج پر نمودار ہوئے اور اپنی تدبیر اور ضرب المثل سیاست سے دونوں قوموں کو آہستہ آہستہ میدانِ کارزار سے ہٹا کر اپنا قبضہ جما لیا اور ہندو مسلمان دونوں حیرت سے منہ دیکھتے رہ گئے اور ہندوستان کی تاریخ کا یہ صفحہ آخرکار الٹ گیا۔

(۳)

"زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد"

اب دوسرا دور شروع ہوا جو مسلمانوں کے لیے طرح طرح کے مصائب سے لبریز تھا۔ ہندو جو زمانہ شناس ہیں انہوں نے تو زمانہ کا رُخ دیکھ کر اپنا انداز بدل دیا اور ہمہ تن تعلیم کی طرف جھک پڑے، ملک کی تجارت پر قبضہ کیا، اور حصولِ معاش کے ہر شعبہ میں پھیل گئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے دیکھتے دیکھتے وہ تمام ہندوستان پر چھا گئے اور حکومت کے ہر صیغہ، ہر محکمہ، اور کاروبار کے ہر شعبہ میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔ تمام چھوٹی بڑی سرکاری تعلیم گاہیں ان کے بچوں اور نوجوانوں سے معمور ہو گئیں، ملک کا تمام کاروبار ان کے ہاتھ میں آ گیا، مسلمانوں کے مکانات و جائدادیں ان کے تصرف سے نکل نکل کر ہندوؤں کے قبضہ میں جا چکیں۔ تعداد میں تو وہ ہم سے زیادہ تھے ہی دولت و ثروت اور علم و ہنر میں بھی ہم سے آگے نکل گئے اور میدان جیت لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ بدنصیب مسلمان اس طویل عہد میں جو نصف صدی سے کم نہیں کیا کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پُر ظلمت عہد کے واقعات بیان کرنا اور یہ بتانا کہ یہ عہد مسلمانوں پر کیونکر گذرا ایک اندوہناک فرض ہے۔ مسلمان دنیا کی پہلی قوم نہیں ہیں جن سے حکومت کا تاج چھینا گیا اور جن کو خاکِ ذلت پر ایڑیاں رگڑنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ تاریخ ہمارے سامنے متعدد قوموں کے عروج و زوال کا مرقع پیش کرتی ہے اور ہر جگہ ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ جس قوم سے تاج و تخت چھینا گیا اس سے وہ اوصافِ حسنہ بھی زائل ہو گئے جو قوموں کے عروج و ترقی کا باعث

ہوتے ہیں۔ حکومت خدا کی ایک امانت ہے جو انہی لوگوں کو سپرد کی جاتی ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ خدا نے قرآنِ مجید میں اس کی تصریح کر دی ہے، پس یہ صلاحیت جب کسی قوم سے جاتی رہتی ہے تو حکومت بھی چھین لی جاتی ہے۔ اس امانتِ الٰہی کے چھن جانے کے بعد کسی قوم کی جو حالت ہو جاتی ہے وہ دوسروں کے لیئے عبرت و بصیرت کا باعث ہوتی ہے۔ جس قوم کے سر پہ کل تک تاجِ شاہی ہوتا ہے، آج اس کی ہستی فاتح قوم کے رحم پہ ہوتی ہے۔ افلاس، تباہی، بربادی، ہلاکت کا چاروں طرف سے نرغہ ہوتا ہے۔ زمین تنگ ہو جاتی ہے اور آسمان سخت، ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا کریں۔ دولتِ عباسیہ کی بربادی اور اندلس کی تباہی کا افسانہ آج بھی خون رلاتا ہے دیکھو کہ ان پہ کیا گذرا اور کئی صدی تک حکمرانی کرنے کے بعد وہ کس طرح برباد کیے گئے، خدا کی یہ وسیع زمین اُن کے لیئے تنگ ہو گئی تھی اور اس نیلگوں آسمان کی چھت کی نیچے کہیں اُن کے لیئے جائے پناہ نہ تھی، ہاں یہودیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور اُن کے عظمت و جلال کی داستانیں پڑھو کہ ان کا دورِ عروج و ترقی کیسا شاندار تھا اور پھر کس طرح وہ "ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ" کا مصداق بنے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب کسی قوم سے تاجِ شاہی چھینا جاتا ہے تو اس کی تمام خوبیاں بھی چھین لی جاتی ہیں اور اس قوم کو زمانہ کی ٹھوکریں کھانے کے لیئے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کرے اور دوسرے اس کی تباہی و بربادی سے سبق لیں۔

غرض جب مسلمانوں سے یہ عطیہ الٰہی یعنی حکومت واپس لی گئی تو ان کی بھی وہی حالت ہو گئی جو ایک زوال یافتہ قوم کی ہوتی ہے اور وہ ہندوستان کی وسیع زمین پہ بے یار و مددگار چھوڑ دیئے گئے، لیکن صد حیف کہ اس انقلاب کے بعد بھی اُن کی آنکھیں نہ کھلیں، حکومت چھن گئی تھی لیکن اس کا خمار ابھی باقی تھا، عزت رخصت ہو چکی تھی لیکن اسلاف کی استخواں فروشی اُن کے لیئے مایۂ ناز تھی، علم و ہنر سے عاری ہو چکے تھے لیکن عہدِ رفتہ کے کارنامے افسانۂ ہر بزم و انجمن تھے، دولت و ثروت منھ موڑ چکی تھی لیکن نشۂ دولت ابھی باقی تھا،

تنگدستی نے پامال کر رکھا تھا لیکن حوصلہ کا وہی عالم تھا، افلاس نے نانِ شبینہ کا محتاج بنا دیا
تھا لیکن فاقہ مستی میں بھی مگن تھے، اُن کے قصر و ایوان برباد ہو چکے تھے، محلسراؤں میں خاک
اُڑتی تھی مگر اُن کو عبرت نہیں حاصل ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ ان کو یقین نہ تھا کہ ہم
درحقیقت برباد ہو چکے ہیں اور اب دنیا میں ہمارا کہیں حق بڑا نہیں ہے۔ ایک ازخود رفتگی کا عالم
تھا جس نے انجام بینی کا موقع نہ دیا، ایک خواب شیریں تھا جس نے حقیقت حال سے بے خبر رکھا،
ایک طلسم فریب اُن کے سامنے تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ زمانہ پھر ایک پلٹا لیگا اور ہم از دست
رفتہ عروج کو پھر ایک دفعہ حاصل کرینگے، لیکن انھیں جلد معلوم ہو گیا کہ اس اُمید باطل اور فکر
لاطائل سے کچھ حاصل نہیں ؎

اب دل کو وہ مسرّت موہوم بھی نہیں
وہ دن کہاں گئے کہ ترا انتظار تھا

آخر کار آہستہ آہستہ اُن کی آنکھیں کھلیں تو اُن کو نظر آیا کہ خدا کی یہ زمین ان کے لیے تنگ ہو رہی
ہے، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن آگے بڑھنا کیسا، اپنی ہستی کا قائم رکھنا بھی مشکل ہے۔ یہ دیکھ کر
ایک عجیب عالم بیکسی و بے بسی اُن پر چھا گیا اور اِس دنیا میں کوئی سہارا اُن کو نظر نہیں آیا۔
مستقبل تاریک تھا اور اُمید کی کوئی جھلک اُن کے سامنے نہ تھی۔ آخر کار اسی عالم یاس و
ہراس میں خدا کے کچھ بندوں کو جو اپنے پہلو میں اپنی برباد شدہ قوم کا درد رکھتے تھے یہ
خیال پیدا ہوا کہ اس مصیبت زدہ قوم کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس محدود جماعت نے
اُن کی اِصلاح کے لیئے جدّ و جہد کی، بعض نے ان کو رسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد
کرنے کی کوشش کی، بعض نے مذہبی جنگ و جدال سے روکا، بعض نے یہ کوشش کی کہ
اِس بربادی کی جو اصلی وجہ ہے یعنی جہالت اُس کی بیخ کنی کی جائے اور اُن کو تحصیلِ علم پر
آمادہ کیا جائے، تاکہ ان میں صحیح احساس پیدا ہو اور وہ خود اپنا راستہ تلاش کر لیں،
چنانچہ جہالت و علم کی کشمکش شروع ہوئی اور ایک طویل زمانہ تک اُمید و بیم کی حالت رہی

کبھی اُمید کی جھلک دل کو مسرور کرتی تھی اور کبھی یاس و ہراس کا غلبہ حوصلہ شکنی کرتا تھا۔ اس زمانہ کی تاریخ بھی عجیب و غریب اتفاقات سے لبریز ہے لیکن اس کے اعادہ کا یہ موقع نہیں۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان آہستہ خرامی کے ساتھ علم کی طرف متوجہ ہوئے اور جو درسگاہیں ملک میں جاری تھیں اُن سے فائدہ اُٹھانے کا خیال اُن کو پیدا ہوا۔ اور چونکہ قوم کے چند سربرآوردہ اصحاب برابر مصروفِ عمل تھے اور تعلیمی تحریک کو ملک میں پھیلا رہے تھے اس لیئے تعلیم کی ترقی آہستگی مگر استقلال کے ساتھ جاری رہی، یہاں تک کہ مسلمانوں کو خود اپنی درسگاہیں کھولنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس میں بھی ایک حد تک کامیابی ہوئی، متعدد اسکول اور کالج قائم ہوئے اور مسلمان تعلیم حاصل کر کے ملک میں پھیلنے لگے، ملک کے ہر صیغہ محکمہ میں اُن کی صورتیں نظر آنے لگیں تم اکاسلوں میں بھی اپنے اہلِ وطن کی خدمت کے لیئے وہ پہونچنے لگے اور حکومت میں اپنا قدرتی حق حاصل کرنے کے لیئے مستعد ہوئے، تعلیم کے لیئے کوشش کرنا، چندہ دینا، تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اس مقصد کی ملک میں اشاعت کرنا ایک عام بات ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک قومی یونیورسٹی کا خیال بھی مسلمانوں کو پیدا ہوا اور اُنھوں نے فراخ حوصلگی کے ساتھ اس مقصد کے لیئے روپیہ فراہم کیا اور اس طویل جد و جہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ آخرکار مسلمانوں نے تعلیم کو اپنا سب سے بڑا نصب العین قرار دیا۔ ان حالات و آثار کو دیکھ کر یہ اُمید کرنا بیجا نہ تھا کہ اگر سعی و کوشش کا یہ سلسلہ جاری رہا تو مسلمان بھی اس ملک میں اپنی جگہ حاصل کر لینگے اور ایک تعلیم یافتہ و مہذب قوم کی حیثیت سے عزت و راحت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرینگے، لیکن اس موقع پر کہ یہ دلفریب اُمیدیں ایک خوشگوار مستقبل کو ہمارے سامنے پیش کر رہی تھیں زمانہ نے پھر اپنا رُخ بدلا اور تاریخ ہند کا یہ صفحہ بھی اُلٹ گیا۔ العظمۃ للہ

(۳)

اب تاریخ ہند کا ایک جدید دور شروع ہوا جس نے تمام ہندوستان میں ایک تلاطم

برپا کر دیا۔ بدقسمتی سے ہندوستان کے اندر اور باہر ایسے اندوہناک واقعات پیش آئے، جس نے تمام باشندگانِ ہند خصوصاً مسلمانوں کے دل و دماغ میں ایک تلاطم پیدا کر دیا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایشیا میں مذہب کا جذبہ ہمیشہ اشتعال پذیر رہا ہے اور جب کبھی اس نے اپنی حدود سے تجاوز کیا انقلاب و ہنگامہ کا باعث ہوا۔ دوسرے درجہ پر سیاست یا حبِّ وطن کا جذبہ ہے جب کبھی یہ جذبہ مشتعل ہوتا ہے تو آسانی سے نہیں ٹھنڈا ہوتا۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد جب ہم ہندوستان کے موجودہ حالات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک خوفناک مستقبل کی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے جس کے تصوّر سے ہم کانپ اُٹھتے ہیں۔ جن لوگوں نے واقعات کی رفتار کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو تیرہ و تار طوفان اس وقت فضائے ہند پر چھایا ہوا ہے وہ آسانی سے فرو نہ ہوگا۔ خیالات و افکار کا یہ تصادم اور جذبات کا یہ ہیجان خبر دیتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو کر رہیگا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت مذہب و سیاست کی آمیزش نے اس طوفان کو نہایت زیادہ خطرناک بنا دیا ہے، گویا آج تمام ملک میں حبِ وطن اور سیاست کے جذبہ کے دوش بدوش مذہب بھی کام کر رہا ہے، یا یوں کہنا چاہیئے کہ کارکنانِ سیاست کی حسنِ تدبیر سے سیاست کی نیرنگیاں مذہبی لباس میں ظاہر ہوئی ہیں جس نے حالات کو نہایت اہم بنا دیا ہے۔ سب سے زیادہ اہم مسئلہ مسلمانوں کے مستقبل کا ہے، ان کی حالت دوسروں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، اس لیئے یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ کہ ترقی کا سوال تو علیحدہ رہا وہ زمانہ مستقبل میں اپنی ہستی کا تحفظ کیونکر کر سکتے ہیں اور یہ کہ موجودہ ہنگامہ کے نتائج اُن کی قوم کے لیئے کیا ہونگے۔

باخبر اصحاب کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں سیاسی جد و جہد کے آغاز پر تقریباً (۴۰) سال کا زمانہ گذر چکا ہے لیکن ابتدا میں صورت یہ تھی کہ صرف اہل ہنود نے حقوقِ طلبی کی آواز بلند کی اور بعد ازاں نیشنل کانگریس کی صورت میں ایک باقاعدہ سیاسی نظامِ عمل کی بنیاد رکھی۔ مسلمان اس تحریک سے علیحدہ رہے لیکن ایک زمانہ دراز کے بعد ان کو

بھی ملکی سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے اپنا جداگانہ سیاسی نظام مسلم لیگ کے نام سے قائم کیا۔ اس وقت مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ ان کو اپنے مخصوص مطالبات کے لئے ایک جداگانہ پولیٹکل پلیٹ فارم کی ضرورت ہے۔ غرض ایک مختصر مدت تک ہندو مسلمان علیحدہ علیحدہ مصروف عمل رہے لیکن اس کے بعد جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ہندوستان کے اندر اور باہر ایسے حالات پیش آئے کہ ہندوستان کے خیالات میں دفعتاً ایک انقلاب پیدا ہو گیا اور ہم کو یہ نظر آیا کہ ہندو اور مسلمان دونوں ایک شاہراہ پر جا رہے ہیں۔

اگرچہ اس انقلاب کو تازہ واقعات سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم و بیش دس سال سے ایک عام سیاسی ہیجان ہندوستان کی مختلف اقوام میں پیدا ہو گیا تھا اور بدقسمتی سے مسلسل ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ اس ہیجان میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مسٹر گاندھی کی شخصیت ایک خاص رنگ میں ہندوستان کے پولیٹکل اسٹیج پر نمایاں ہوئی اور ستیہ گرہ کا غلغلہ ملک میں بلند ہوا جس کا خاتمہ پنجاب کے افسوسناک واقعات پر ہوا لیکن مسٹر گاندھی خاموش ہونے والے نہ تھے ان کی موقع شناس نگاہیں برابر ملک کے جزر و مد کا مطالعہ کر رہی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے عین اس موقع پر جب کہ ایک طرف مسئلہ خلافت اپنی آخری منزل سے گذر رہا تھا اور دوسری طرف حوادث پنجاب نے ایک جوش پیدا کر دیا تھا۔ عدم تعاون (

) کی تحریک ملک کے سامنے پیش کی جس نے تمام ملک میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔

اس تحریک کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ (۱) لوگ سرکاری ملازمت سے دستکش ہو جائیں
(۲) قانون پیشہ اصحاب وکالت چھوڑ دیں (۳) کونسلوں کی ممبری سے استعفا دیدیں اور آیندہ
کونسلوں میں جانے کے لئے کوشش نہ کریں (۴) طلبہ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ وہ گورنمنٹ
کی درس گاہوں کو اور جن کو گورنمنٹ سے اعانت ملتی ہی چھوڑ دیں اور ان میں تعلیم حاصل نہ کریں
ہم کو اس تحریک کی اوّل الذکر صورتوں سے بحث نہیں، البتہ آخری صورت بحث طلب ہے
اوّل تو اس لئے کہ اس تحریک کی اشاعت کرنے والوں کا زیادہ تر رجحان اسی صورت کی
طرف ہی اور اس نے ایک حد تک عملی شکل اختیار کرلی ہی دوسرے اس وجہ سے کہ اس کا
تعلق درحقیقت تمام افراد قوم سے ہے کیوں کہ یہ ان کی اولاد کی تعلیم کا مسئلہ ہے جس پر
ہزاروں، لاکھوں خاندانوں کی فلاح وبہبود کا دارومدار ہے یہی سبب ہی کہ ترک تعلیم
کے مسئلہ نے تمام ملک میں ایک اضطراب پیدا کر دیا ہے اور مسائل حاضرہ میں سب سے زیادہ
یہی مسئلہ معرکۃ الآرا ہے لیکن قبل اس کے کہ اس تحریک کے مفید یا مضر ہونے پر بحث کی جائے
اس کی مذہبی حیثیت واضح کر دینا ضروری ہی۔ یہ تحریک خواہ سیاسی ہو یا مذہبی لیکن ملک کے
سامنے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کے سامنے مذہبی حیثیت سے پیش کی گئی ہے۔ یہ صحیح ہی
کہ ترک موالات کے پہلے محرک مسٹر گاندھی ہیں لیکن اب علما بھی اُن کے ہم آہنگ ہیں اور یہ
کہتے ہیں کہ از روئے شریعت یہ ضروری ہی کہ مسلمان اپنے تمام تعلقات کفار سے اور گورنمنٹ سے
جو غیر مسلم ہے یکسر منقطع کر دیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے، تعلیم کو بھی اسی سلسلہ
میں داخل کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ گورنمنٹ کی درس گاہوں میں یا اُن درسگاہوں
میں جو گورنمنٹ سے مالی اعانت حاصل کرتی ہیں تعلیم پانا اصول ترک موالات کے مخالف
لہذا شرعاً ناجائز ہی۔

(۴)

چوں کہ ہمارے علما اور ارباب سیاست نے تحریک ترک موالات کو خاص مذہبی حیثیت سے
مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہی اس لئے مذہبی رنگ میں اس پہ دلائل بھی قائم کئے ہیں اور

جابجا قرآن مجید سے استدلال کیا ہے۔ اس لئے ہم بھی سب سے پہلے قرآن مجید کی اُن آیات کو جو اس معاملہ کے متعلق ہیں نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ ازروئے قرآن مجید ترک موالات سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے حدود کیا ہیں؟ اور معاملہ ترک تعلیم ترک موالات کے ذیل میں آسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن مجید کی تمام آیات کا استقصا مقصود نہیں ہے اس لئے جو آیات صاف طور پر اس مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہیں اور جن کو عموماً پیش کیا جاتا ہے ان کو لے لیا ہے اور دوسری قریب المعنیٰ آیات کو جن میں کوئی اور جدید حکم نہیں ہے چھوڑ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیٔ (آل عمران)

مسلمان مسلمانوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس کو اللہ تعالےٰ سے کوئی سروکار نہیں۔

(۲) یا ایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الکفرین اولیاء من دون المومنین ط (سورہ نسا)

اے ایمان والو تم مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

(۳) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا اٰباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ط ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون ط (سورۂ توبہ)

اے مسلمانوں اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر سے محبت رکھیں تو ان کو اپنا دوست نہ بناؤ اور جو ان کو دوست بنائے گا وہ ظالم ہے۔

(۴) لاترکنوا الی الذین ظلموا (سورہ ہود)

اور نہ جھکو اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا۔

(۵) لاتجد قوماً یومنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولوکانوا اٰباءھم اوْ اخوانھم اوعشیرتھم ج اُولٰئک

تم اس قوم کو جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہے اُن لوگوں سے باہمی مودت (دوستی) کرتے ہوئے نہ پاؤگے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا کنبہ والے ہوں۔ یہی

كتب الله فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه ط (سورہ مجادلہ)

وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی رُوح (فیضانِ الٰہی) سے ان کی مدد فرمائی۔

(۶) یا ایها الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة وقد کفروا بما جاءکم من الحق ج یخرجون الرسول وایاکم ان تؤمنوا بالله ربکم (سورۂ ممتحنہ)

اے مسلمانوں میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی طرف محبت کا پیام بھیجتے رہو حالانکہ انھوں نے اس حق (مذہب) کا انکار کیا ہی جو تمہارے پاس (خدا کی طرف سے) آیا ہے وہ خدا کے رسول کو اور تم کو اس بنا پر (گھروں سے) نکال رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہو۔

(۷) لا ینهٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروهم وتقسطوا الیهم ط ان الله یحب المقسطین انما ینهٰکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاهروا علیٰ اخراجکم ان تولوهم ومن یتولهم فاولٰئک هم الظٰلمون ط (سورہ ممتحنہ)

اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا اُن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے جنھوں نے تم سے مذہبی جنگ نہیں کی نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہی (البتہ) اُن لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہی جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تم کو گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (دوسروں کی) مدد کی اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہیں۔

بے شبہ یہ تمام آیات صاف وصریح طور پر ترک موالات پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہم سخت حیرت ہی کہ آج ترک موالات کے جو معنی بیان کیے جاتے ہیں اور ترک موالات کے سلسلہ میں تعلیم کے متعلق جو بحث اُٹھائی گئی ہے اس کا ثبوت ان آیات سے کسی طرح نہیں ملتا، البتہ یہ اور بات ہی کہ کسی سیاسی ضرورت سے آیات کے معانی ومطالب کو اپنے مقصد کے مطابق تجویز کرلیا جائے

موالات اور معالات

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اُس کی آیات کا ترجمہ باتباع لغت عرب کیا جائے گا۔ لغت کی معتبر و مستند کتابیں بفضلہ اس وقت بھی موجود ہیں، ان کو دیکھکر ہر شخص آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ''ولی'' اور ''اولیا'' کا لفظ جو قرآن مجید میں جا بجا استعمال کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے! ''تولّی'' کے کیا معنی ہیں اور مودّت (جس کا مادہ ''ود'' ہے) کس موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ صحاح للجوہری، قاموس، لسان العرب، مفردات راغب اصفہانی، جیسی معتبر کتابوں کے مطالعہ سے یہ دشواری نہایت آسانی سے حل ہو جاتی ہے۔ جدید ترین لغت المنجد مطبوعہ بیروت میں بھی یہ تمام الفاظ موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آیات نبوی میں خود اللہ عز و جل نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ پہلے تو اعدائے خدا و مومنین کو اولیا بنانے کی ممانعت فرمائی بعد ازاں لفظ مودت استعمال فرما کر اس ارتباط کی نوعیت کو واضح فرما دیا کہ کفار سے کس قسم کے تعلقات کی ممانعت ہے۔ ہمارے نزدیک ان آیات کے معانی و مطالب اس قدر واضح ہیں کہ کلام عرب سے کسی مزید استشہاد کی ضرورت نہیں اس لئے ہم نے بخیال طوالت لغات معتبرہ کی عبارتیں نہیں نقل کیں، جس کو مزید اطمینان خاطر منظور ہو وہ مذکورہ بالا لغات کی طرف رجوع کرکے ہم کو اس موقعہ پر صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ جملہ آیات جن مواقع پر نازل ہوئیں، یعنی جن واقعات سے ان کا تعلق ہے اگر ان کو پیش نظر رکھا جائے اور آیات کا ترجمہ لغت عرب کے مطابق کیا جائے تو اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کفار سے محبت، مودت اور رفاقت نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ محبت و مودت اس طبعی رجحان و رغبت کا نام ہے جس کا تعلق درحقیقت دنیا کے ظاہری معاملات سے نہیں ہے بلکہ دل سے ہے۔ قرآن مجید میں صاف طور پر جس چیز کی ممانعت کی گئی وہ اسی محبت و طبعی میل کی ممانعت

کی گئی ہے اور وہ تمام الفاظ جو مختلف آیات میں مذکور ہیں سب کا یہی ایک مقصد ہے کہ کفار سے محبت و مودت کے تعلقات نہ رکھو، دنیوی یا کاروباری تعلقات کی ممانعت نہیں کی گئی، لیکن برخلاف اس کے آج جبکہ یہ تحریک ہندوستان میں پھیلائی جارہی ہے عجیب خلط مبحث کر دیا گیا ہے اور شرعی حدود سے تجاوز کرکے ظاہری تعلقات اور لین دین کے معاملات کی بھی ممانعت کی جاتی ہے۔ جو معنی آج بیان کئے جاتے ہیں، ہم نہیں خیال کرتے کہ علمائے سلف نے کبھی ان آیات سے یہ مراد لی ہو نہ بلحاظ تعامل ہم کو کوئی سند ایسی ملتی ہے جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ مسلمانوں نے کبھی اس پر عمل کرکے کفار سے جملہ ظاہری تعلقات کامل طور پر قطع کر دیئے ہیں۔ لہذا ہم بے تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں صرف محبّت و مودت کی ممانعت کی گئی ہے۔ دنیوی تعلقات کو جو خصوصاً ایک ملک میں رہنے کی وجہ سے ناگزیر ہیں منع نہیں کیا گیا ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے یعنی ہم کفار سے باوجود ترک موالات (مودت) دنیوی تعلقات رکھ سکتے ہیں جس کی ممانعت قرآن مجید میں نہیں کی گئی ہے۔ دنیوی تعلقات رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم خواہ مخواہ ان سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتے ہیں۔

غرض ان آیات سے بحسب الظاہر یہی معنی متبادر ہوتے ہیں اس لئے کسی استدلال کی حاجت نہ تھی تاہم مزید اطمینان کے لئے بعض جلیل القدر مفسرین کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں آیت نمبر ا کے سلسلہ میں بیان کیا ہے ۔

نہی تبارک و تعالیٰ عبادہ المومنین ان یوالوا الکافرین وان یتخذوھم اولیاء یسرون الیھم بالمودۃ من دون المومنین ط	خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کو ممانعت کرتا ہے کہ وہ کفار سے موالات کریں اور بجائے مسلمانوں کے ان کو دوست بنائیں اور از راہ محبت ان کو مسلمانوں کے پوشیدہ امور پر مطلع کریں ۔

واقعہ یہ ہے کہ اوائل اسلام میں بعض مسلمانوں کے کفار سے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان تعلقات سے کفار بعض اوقات فائدہ اُٹھاتے تھے اور مسلمانوں کے جنگی ارادوں اور دوسرے پوشیدہ امور پر اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس وقت ایک گروہ منافقین کا بھی تھا جو بظاہر تو اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔ لیکن درپردہ مسلمانوں کے برخلاف کفار سے سازش رکھتے تھے تاکہ اس جدید مذہب (اسلام) کو جو عرب میں روز بروز اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا صدمہ پہنچائیں اسلئے یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے اور ان کے حالات و ارادوں کا تجسس کرتے رہتے تھے تاکہ کفار کو برابر خبریں پہنچاتے رہیں۔ ان مسلمانوں کے علاوہ بعض مسلمان بھی جو مکّہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے آئے تھے مگر اُن کے اہل و عیال مکّہ معظمہ میں تھے مجبوراً کفار سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے تاکہ اُن کے اہل و عیال محفوظ رہیں۔ چنانچہ ایک مشہور صحابی حاطب ابن بلتعہؓ کا واقعہ ہے جو تمام کتب تفسیر میں بہ تفصیل مذکور ہے جس کا ماحصل یہ ہو کہ انھوں نے ایک عورت کے ہاتھ خط بھیجکر کفار مکّہ کو اس راز سے مطلع کرنا چاہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، لیکن ابھی یہ عورت مکہ معظمہ نہیں پہونچی تھی کہ آنحضرت صلعم نے بعض صحابہ کو تعاقب میں روانہ کیا۔ انھوں نے مقام روضہ خاخ میں اس کو جا پکڑا اور خط حاصل کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے حاطب بن بلتعہؓ سے اس کے متعلق استفسار کیا، انھوں نے صاف صاف عرض کردیا کہ میں نہ تو اسلام سے مرتد ہوا ہوں نہ کفر پر رضامند ہوں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن صحابہ نے حضور کے ساتھ ہجرت کی ہے ان کے اعزا و اقارب قریش میں موجود ہیں جو اُن کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن مجھکو قریش کے ساتھ اس قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، میں صرف ان کا حلیف تھا اور یہ کارروائی میں نے صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے

کی۔ یہ سن کر آنحضرت نے اُن کی لغزش سے درگزر کی کیوں کہ وہ اصحاب بدر سے تھے اور اسلام کی بڑی خدمت انجام دے چکے تھے اور یہ کارروائی انھوں نے کسی بدنیتی سے نہیں کی تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں "یسرون الیہم بالمودة" سے اسی قسم کے تعلقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نہ کہ سادہ اور کاروباری تعلقات کی طرف جن سے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہونچتا ہو۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں سورۂ آل عمران کی اس آیت کی تفسیر میں اس کی شان نزول کے متعلق علمائے تفسیر کے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں۔

فی سبب النزول وجوہ الاول جاء قوم من الیهود الی قوم من المسلمین لیفتنوھم عن دینھم فقال رفاعة بن المنذر وعبد الرحمن بن جبیر وسعد بن خیثمة لاولئك النفر من المسلمین اجتنبوا ھؤلاء الیھود واحذروا ان یفتنوکم عن دینکم فنزلت ھذہ الآیة

اس آیت کے سبب نزول میں متعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں اوّل یہ کہ یہودیوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے ایک گروہ کے پاس آئی ان کا مقصد یہ تھا کہ ان مسلمانوں کو دین سے گمراہ کریں اس پر رفاعة بن المنذر وغیرہ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ ان یہودیوں کے میل جول سے اجتناب کرو یہ تم کو دین سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) والثانی قال مقاتل نزلت فی حاطب بن بلتعة وغیرہ وکانوا یظھرون المودة لکفار مکة فنھاھم اللہ عنھا۔

مقاتل نے کہا ہے کہ حاطب بن بلتعہ وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی جو کفار مکہ سے اظہار مودت کرتے تھے اس پر خدا تعالے نے ان کو منع کیا۔

(۳) الثالث فی عبد اللہ ابن

یہ کہ عبد اللہ ابن ابی اور اس کے رفقا کے متعلق

الی واصحابه وکانو یتولون الیهود والمشرکین ویخبرونهم بالاخبار ویرجون ان یکون لهم الظفر علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فنزلت هذه الایة

نازل ہوئی جو یہود اور مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو خبریں پہونچاتے تھے اور یہ امید کرتے تھے کہ ان کفار کو آنحضرت صلعم پر فتح حاصل ہوگی۔

(۴) الرابع انها نزلت فی عبادة ابن الصامت وکان له حلفاء من الیهود ففی یوم الاحزاب قال یا نبی الله ان معی خمسمائة من الیهود وقد رأیت ان یخرجوا معی فنزلت هذه الایة (تفسیر کبیر سورۂ آل عمران)

یہ کہ عبادہ ابن الصامت کے متعلق نازل ہوئی بعض یہودی ان کے حلیف تھے۔ پس انھوں نے غزوہ احزاب کے موقعہ پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ساتھ پانسو یہودی ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ جنگ کے لئے میرے ساتھ چلیں (مذہبی امور میں کفار سے اعانت جائز نہیں۔

تفسیر لباب التاویل میں اس آیت کے شانِ نزول کے بیان میں اس کی تصریح بھی کی گئی ہے کہ وہ انصار کا ایک قبیلہ تھا جس کو یہودی گمراہ کرنا چاہتے تھے اور جب باوجود بعض مسلمانوں کی ممانعت کے انھوں نے ان یہودیوں سے اختلاط رکھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ہم نے اس آیت کے سبب نزول وغیرہ کے متعلق کسی قدر تفصیل سے اس لئے بحث کی ہے کہ ہمارے ناظرین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ جملہ آیات جو ترک موالات سے تعلق رکھتی ہیں، ان کا تعلق اسی قسم کے کسی نہ کسی واقعہ سے ہے کہ جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہے مطلقاً تعلقات کی ممانعت نہیں ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۲ یا ایھا الذین آمنوا الخ کا تعلق حاطب ابن بلتعہؓ کے واقعہ سے ہے اور تلقون الیھم بالمودۃ

کے الفاظ صاف طور پر اشارہ کر رہے ہیں کہ کس قسم کے تعلقات کی ممانعت ہے یہ ظاہر ہے کہ حاطب ابن بلتعہ نے آنحضرت صلعم کی حملہ آوری کے ارادہ کو ظاہر کیا تھا جس کو آنحضرت صلعم ظاہر فرمانا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ اس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ تھا، لہذا اس کی ممانعت کی گئی۔

غرض اگر ان جملہ آیات کے اسباب نزول پر غور کیا جائے اور اوائل اسلام کی تاریخ پیش نظر ہو تو اس مسئلہ کی حقیقت اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں جو موالات کی ممانعت کی گئی ہے اس سے کس قسم کے تعلقات کی ممانعت مقصود ہے" اور اس کی نوعیت و حیثیت کیا ہے ؟ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں تھے یہودی، نصرانی، مشرکین سب کے سب ان کے دشمن تھے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے ہر قسم کی ترغیبات عمل میں لاتے تھے، دوسری طرف مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ اب تک کوئی مستقل اقتدار اُن کو حاصل نہیں ہوا تھا وہ بسا اوقات نہایت مایوس و دل گرفتہ ہو جاتے تھے اور نصرت الٰہی کے انتظار میں بے اختیار اُن کی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ خود اللہ عزوجل نے مسلمانوں کی اس بیکسی و اضطراب کو نہایت پر اثر الفاظ میں چند مواقع پر بیان کیا ہے

مسلمان توحید کا پیام ربانی لے کر دنیا میں آئے تھے۔ اگرچہ پیام نیا نہ تھا لیکن دنیا اس پیام کو بھول چکی تھی، اس لئے جب خدائے قادر و بے ہمتا کی پرستش کے لئے ان کو بلایا گیا تو انھوں نے اعراض کیا، نہ صرف اعراض کیا بلکہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور یہ چاہا کہ اس صدائے حق کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کفار نے جو جو کچھ کیا خود قرآن مجید میں جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔ انھوں نے آخر دم تک اس کی کوشش کی کہ اسلام کو بالکل فنا کر دیں انھوں نے خدا کے پیغمبر کو اپنے محبوب وطن کے چھوڑنے پر مجبور کیا، انھوں نے صحابہ کرام

کو جلا وطن کیا اور آخر کار وہ بار بار جمع ہو کر کھلم کھلا مقابلہ پر آئے اور آنحضرت صلعم اور پیروانِ اسلام کی مخالفت میں تمام عرب کو آمادہ جنگ و پیکار کر دیا، غرض حق و باطل کی یہ کشمکش اس وقت تک جاری رہی جب تک فتح مکہ نے مسلمانوں کا اقتدار عرب میں قایم نہ کر دیا۔

مذکورۂ بالا حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر شخص محسوس کرے گا کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت ایسی مخدوش و نازک تھی کہ مشکل سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی ہستی کو باقی رکھ سکیں گے، کیوں کہ پیام توحید جو آنحضرت صلعم دُنیا کو سناتے تھے وہ اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے گویا تمام دُنیا کے لئے اعلان جنگ کا حکم رکھتا تھا۔ ان حالات کے ماتحت کفار سے موالات رکھنا اسلام کی ہستی کو خطرہ میں مبتلا کرنا تھا۔ اگر مسلمان کفار سے گھُل مِل جاتے تو تبلیغ کا فرض کیوں کر ادا ہوتا۔ ان کے لئے دو ہی صورتیں تھیں، یعنی یا تو وہ استقامت و دلیری سے توحید کی اشاعت کریں یا کفار کے دین پر اپنی رضامندی کا اظہار کریں۔ مسلمانوں نے اوّل الذکر صورت کو اختیار کیا اور کسی ایسے معاملہ میں کفار سے موالات نہیں کی جس کا اثر مذہب و دین پر پڑتا ہو یا جس کی وجہ سے وہ مداہنت پر مجبور ہوں، البتہ جہاں تک حُسن معاشرت اور دنیوی معاملات کا تعلق تھا انھوں نے کفار سے اپنے تعلقات شرعی حدود کے اندر قایم رکھے اور عدل و انصاف کے دائرہ کے باہر قدم نہیں رکھا ھذہٖ اٰ ٰیاتٗ عامۃ۱بہٖ۔ (۶)

عود الی المقصود

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ترک موالات کے متعلق جو آیات ہیں وہ اپنے معانی کے لحاظ سے نہایت صاف و صریح ہیں بلکہ بعض آیات کے اندر ایسے حدود و قیود موجود ہیں کہ خود قرآن مجید ہی سے یہ امر متعین ہو جاتا ہے کہ ترک موالات کی حقیقت اور

اس کی نوعیت کیا ہے کیوں کہ اکثر مقامات پر جہاں موالات کی ممانعت کی گئی وہاں نازک و لطیف طریق سے اس کے وجوہ و علل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور کلام ربانی کی یہی شان بھی ہونا چاہیئے۔ اللہ عزوجل جانتا تھا کہ مسلمان ایک دن تمام صفحہ دنیا پر پھیل جائیں گے اور دُنیا کی تمام اقوام و ملل کے مابین وہ بھی ایک حیثیت سے نمودار ہوں گے لہذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کو بتایا جاتا کہ غیر اقوام کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونا چاہیئے۔

اسلام نے ابتدا سے آج تک ہر عہد میں دوسری قوموں کے دوش بدوش زندگی بسر کی ہے اور مسلمان سیّاحوں اور فاتحوں نے بر و بحر کو کھنگالا ہے، ان میں ہزاروں نامور علما اور ارباب کمال گذرے ہیں اور انھوں نے تمام مذاہب عالم سے نہ صرف واقفیت حاصل کی ہے بلکہ اپنے منتہائے کمال سے وہ رُتبہ حاصل کیا ہے کہ جو خود ان مذاہب کے ارباب کمال کو حاصل نہیں تھا پس کیا ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں کے تعلقات دیگر مذاہب سے صدہا سال سے قایم ہو چکے تھے اسلام میں موالات کے حدود اب تک معین نہ تھے اور جمیعت اسلامی مسٹر گاندھی و ستیا دیو کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ نان کواپریشن کی تحریک اور اس کے تمام مدارج متعلق ترک ملازمت وغیرہ ملک کے سامنے پیش کریں اور بعض علما اس کو ترک موالات کا لبادہ پنہا کر محراب و منبر تک لیجائیں۔

افسوس کہ اس مختصر رسالہ میں اس قدر گنجایش نہیں کہ ان تمام مباحث پر تفصیلی بحث کیجائے اور ہر آیت پر علیحدہ علیحدہ نظر کر کے یہ بتایا جائے کہ اس آیت کا تعلق کس واقعہ سے ہے اور آئمۂ اسلام اور ارباب تفسیر کی اس کے متعلق کیا رائے ہے، اس کے علاوہ ہمارا مقصود اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ سادہ الفاظ میں اس مسئلہ کی حقیقت عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے لکھدیں تاکہ وہ ان مشکلات پر غور کریں کہ اگر یہ تحریک مسئلہ تعلیم کے

متعلق کامیاب ہو گئی تو اُن کی اولاد کی تعلیم پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ بناءً علیہ ہم پیچیدہ مباحث سے قطع نظر کرکے صرف بعض سربرآوردہ مفسرین کے بیانات اس مسئلہ پر لکھتے ہیں۔

چنانچہ امام رازیؒ سورۂ آل عمران کی آیت مذکورہ نمبرا کے سلسلہ تفسیر میں جہاں یہ بحث آگئی ہے کہ موالات کفار سے کیا مطلب ہے، موالات کی تین صورتیں بیان کرکے ان کا حکم بیان فرماتے ہیں جو حسب ذیل ہے:-

۱. احدها ان یکون راضیاً بکفره و یتولاه لاجله وهذا ممنوع منه لان کل من فعل ذالک کان مصوبا له فی ذالک الدین وتصویب الکفر کفر فیستحیل ان یبقی مومنا مع کونه بهذه الصفة وثانیها المعاشرة الجمیلة بحسب الظاهر وذالک غیر ممنوع منه والقسم الثالث وهو کالمتوسط بین القسمین الاولین هو ان موالاة الکفار بمعنی الرکون الیهم والمعونة والمظاهرة

ایک صورت موالات کی یہ ہے کہ مسلمان اس کافر کے کفر پر راضی ہو اور بربنائے کفر اس کو دوست رکھے تو یہ صورت ممنوع ہے اس لئے کہ جو شخص ایسا کریگا وہ گویا باعتبار دین کافر کی تصویب کرنے والا ہوگا، اور کفر کی تصویب یعنی کفر کو صحیح و درست سمجھنا کفر ہے، اس لئے ایسی صورت میں مسلمان کا مسلمان رہنا ناممکن ہے۔

دوسری صورت (موالات) کی یہ ہے کہ کافر کے ساتھ باعتبار ظاہر حسن معاشرت کا طریقہ اختیار کرے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

ایک تیسری صورت ان دونوں کے درمیان درمیان ہے۔ یعنی کفار کے ساتھ اس طرح پر موالات کرے کہ اس کا طبعی میلان کفار کی جانب ہو اور ان کو معتمد علیہ بنائے، یا بسبب قرابت یا محبت کے ان کی امداد و اعانت کرے باوجود اس اعتقاد کے

والنصرة، اما بسبب القرابة	کہ ان کا مذہب باطل ہے تو یہ اگرچہ کفر نہیں ہے
اوبسبب المحبة مع اعتقاد	لیکن اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ بعض
ان دینہ باطل فھذا لایوجب	اوقات اس قسم کی موالات اس کا سبب
الکفر الا انہ منہی عنہ	ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان ان کے عادات واطوار
لان الموالاۃ بھذا المعنی	کو پسند کرنے لگے یا ان کے دین پر اپنی رضامندی
قد تجرہ الی استحسان	ظاہر کرے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ دائرہ اسلام
طریقتہ والرضا بدینہ	سے نکل جائے۔
وذالک یخرجہ عن الاسلام	

(تفسیر کبیر جلد ثانی صفحہ ۱۴۳)

اس کے بعد امام صاحب آیت لا تجد قوما یومنون باللہ الخ یعنی آیت نمبرہ کے سلسلہ تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المعنی انہ لایجتمع الایمان	یعنی دشمنانِ خدا کی محبت کے ساتھ ایمان
مع وداد اعداء اللہ و	جمع نہیں ہو سکتا اور یہ اس لئے کہ جو شخص کسی
ذالک لان من احب احدا	کو محبوب رکھتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ اس کے ساتھ
امتنع ان یحب مع ذالک	اس کے دشمن کو بھی محبوب رکھے۔

عدوہ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۶۷)

امام رازی نے اس موقعہ پر تصریح کے ساتھ فرمادیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ دشمنانِ خدا سے محبت نہ رکھو، کیوں کہ خدا کی اور دشمنانِ خدا یعنی کفار کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ یہاں پر اس شبہ کا امکان تھا کہ شاید ظاہری معاشرت

اور تعلقات کی بھی ممانعت کی گئی ہے، اس بنا پر امام صاحب اس شبہ کا بھی رد فرماتے ہیں

فان قیل قد اجمعت الامۃ	اگر یہ کہا جائے کہ اُمّت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے
علیٰ انہ تجوز مخالطتھم	کہ کفار کے ساتھ مخالطت معاملت اور معاشرت
ومعاصلتھم ومعاشرتھم فما ھذہ	جائز ہے تو پھر وہ کونسی مودّت ہے جو حرام وممنوع
المودۃ المحرمۃ المحظورۃ	ہے تو ہم کہیں گے کہ مودت ممنوعہ سے مراد یہ ہے
قلنا المودۃ المحظورۃ ھی	کہ باوجود ایک شخص کے کافر ہونے کے اس کے
ارادۃ منافعہ دینا ودنیا مع کونہ	دینی و دنیوی منافع کا ارادہ کیا جائے لیکن اس کے
کافرًا فاما سوی ذالک فلا	سوا کوئی صورت ممنوع نہیں۔
خطرفیہ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۲)	

امام صاحب کی مذکورہ بالا تصریح کسی مزید توضیح کی محتاج نہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا کہ کفار سے معاملت و معاشرت جائز ہے۔ اس بنا پر یہ شبہ پیدا ہوا کہ ترک مودت سے کیا مراد ہے۔ اس شبہ کے جواب میں امام صاحب نے تصریح کر دی کہ صرف وہ محبت ومودت منع ہے جس میں کافر کے مذہبی و دنیوی فائدہ کا ارادہ شامل ہو اس کے علاوہ اور تعلقات کی شرعاً ممانعت نہیں ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جو لوگ کفار سے تولّی کرتے ہیں ان کو اللہ عزوجل نے "ظالم" فرمایا ہے جیسا کہ آیت ۳ و ۷ میں مذکور ہے اس سے بظاہر یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ یہ دوستی اپنے موقع ومحل پر نہیں ہے۔ اس کے بعد سورۂ ہود میں ظالموں سے میل ملاپ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا (سورۂ ہود) اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا۔

متذکرۂ بالا آیت میں خداوند تعالیٰ نے رکون کی ممانعت فرمائی ہے اور امام رازی نے

بھی سورہ آل عمران کی آیت پر بحث کرتے ہوئے جو تین صورتیں موالات کی تحریر فرمائی ہیں وہاں بھی رکون الی الکفار کو منع کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ "رکون" سے کیا مُراد ہے؟ خود امام صاحب اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

والرکون ھو السکون الی الشئ والمیل الیہ بالمحبۃ ط

رکون سے مُراد سکون ہے کسی چیز کی طرف اور وہ میل طبع جو بوجہ محبّت ہو۔

سکون الی الشئ سے مُراد یہ ہے کہ اس میل طبعی سے انسان کے نفس کو مسرّت وراحت حاصل ہو اور اسی کی قرآن مجید میں ممانعت ہے کہ کفار کی طرف اس قسم کا رجحان طبع نہ ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد امام صاحب نے رکون الی الظلمۃ کی مزید توضیح کی ہے۔ فرماتے ہیں

قال المحققون الرکون المنھی عنہ ھو الرضا بما علیہ الظلمۃ من الظلم وتحسین تلک الطریقۃ وتزئینھا عندھم وعند غیرھم ومشارکتھم فی شئ من تلک الابواب فاما مداخلتھم لدفع ضرر او اجتلاب منفعۃ عاجلۃ فغیر داخلۃ فی الرکون ط

(یعنی محققین کا قول ہے کہ جس رکون کی شرعاً ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد ہے ظالموں کے ظلم پر رضامندی ظاہر کرنا اور ان کے طریقہ کو اچھا سمجھنا اور اس طریقہ کو ان کے سامنے یا دوسروں کے سامنے زینت دینا یعنی عمدہ پیرایہ میں ظاہر کرنا اور بری باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہونا۔ لیکن صرف ان لوگوں کی مداخلت دفع مضرت یا حصول منفعت کے لئے تو یہ رکون میں داخل نہیں ہے اور جب رکون میں داخل نہیں تو منع بھی نہیں)

رکون کے متعلق دوسرے علما و اکابر اُمت نے بھی مفصل بحث کی ہے جس کو ہم بخیال طوالت نظر انداز کرتے ہیں لیکن ان تمام مباحث کا ماحصل یہی ہے کہ کفار

ومشرکین سے قلبی محبت نہ کرو، ظلم و برائی میں ان کی اعانت نہ کرو، دین میں ان کی وجہ سے مداہنت نہ کرو، جو ظلم یا بدی وہ کریں اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرو۔ یہ ہے ماحصل ان تمام معانی کا جو رکون کے معتبر تفاسیر میں بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے بعض معانی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں

ان تمام مباحث کے مطالعہ سے نیز امام رازی کی تصریحات سے صاف صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے عام طور پر حسن معاشرت یا معاملت کی ممانعت نہیں بلکہ بر وقت ضرورت دفع مضرت یا حصول منفعت کے لئے تعلقات کی اجازت ہے صرف دو صورتیں ممنوع ہیں جہاں یہ اندیشہ ہو کہ ان تعلقات سے اسلام کو ضرر پہنچے گا یا مسلمانوں کا رجحان کفار کے مذہب کی طرف ہو گا۔

امام فخر الدین رازی کی تصریحات کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے یگانہ روزگار فاضل مصر کے استاذ الاساتذہ مفتی شیخ محمد عبدہ مرحوم کی تفسیر القرآن سے بھی ترک موالات کے متعلق بعض اقتباسات پیش کئے جائیں ہمارے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شیخ محمد عبدہ وہ شخص ہیں جن کو علمائے مصر نے فن تفسیر و ادب کا اس زمانہ میں امام مانا ہے اور علامہ سید رشید رضا جیسے فضلا ان کے حلقہ درس سے فارغ ہو کر نکل چکے ہیں۔ غرض سورہ آل عمران کی آیت لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء الایۃ کی تفسیر کے سلسلہ میں شیخ محمد عبدہ کی تفسیر القرآن میں نہایت مفصل بحث کی گئی ہے جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

یزعم الذین یقولون فی الدین بغیر علم ویفسرون القرآن بالھوی فی الرای ان ایۃ آل عمران وما فی معناھا من النھی العام او الخاص کقولہ تعالی (یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء) یدل علی انہ لا یجوز للمسلمین ان یحالفوا او یتفقوا مع غیرھم وان کان الخلاف والاتفاق لمصلحتھم وفاتھم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان محالفاً لخزاعۃ وھم علی شرکھم بل یزعم بعض المتحمسین فی الدین علی جھل انہ لا یجوز للمسلم ان یحسن معاملتہ غیر المسلم او معاشرتہ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۲۷۷)

جو لوگ بغیر علم کے دین کے معاملات پر گفتگو کرتے ہیں یا اپنی خواہش و رائے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں عام طور پر تمام کفار سے اور آیت لا تتخذوا الخ میں خاص طور پر یہود و نصاریٰ سے موالات کی جو ممانعت کی ہے وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کفار کو اپنا حلیف بنائیں یا کسی معاملہ میں ان سے اتفاق کریں خواہ اس میں مسلمانوں ہی کی مصلحت مقصود کیوں نہ ہو، لیکن ان لوگوں کو یہ نہ سوجھا کہ آنحضرت قبیلہ خزاعہ کے حلیف تھے درآں حالے کہ وہ قبیلہ اپنے شرک پر قائم تھا۔ بعض لوگ جو ضرورت سے زیادہ دین دار بنتے ہیں وہ باوجود جہالت اس کے مدعی ہیں کہ کفار سے حسن معاملت و معاشرت کے تعلقات بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا تفسیر سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار سے کس قسم کی موالات منع ہے اور آنحضرت صلعم کا طریق عمل اس بارہ میں کیا تھا۔ اس کے بعد اسی آیت لا یتخذ المومنون کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

ای لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء وانصاراً فی شی تقدم فیہ مصلحتھم علی مصلحۃ المومنین

یعنی مسلمان دوست و مددگار نہ بنائیں کفار کو اس معاملہ میں کہ جس میں کفار کی مصلحت کو مسلمانوں کی مصلحت پر مقدم رکھا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا فائدہ مدنظر ہو تو کفار سے تعلقات پیدا کرنا ناجائز

نہیں۔ اسی طرح آیت نمبر ۵ لاتجد قوما یومنون باللہ الخ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار سے اس قسم کے تعلقات رکھنا جن سے مسلمانوں کا نقصان اور کفار کا فائدہ ہونا جائز ہے۔

واما ما عدا ذالک کالتجارۃ وغیرھا من ضروب المعاملات الدنیویۃ فلا تدخل فی ذالک النفی

لیکن اس کے سوا تجارت وغیرہ یا دنیا کے اور مختلف معاملات میں تعلقات رکھنا تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں۔

اس کے بعد الا ان تتقوا منہم تقاۃ کی تفسیر کے سلسلہ میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

واذا جازت موالاتہم لاتقاء الضرر فجوازھا لاجل منفعۃ للمسلمین یکون اولی وعلی ھذا یجوز لحکام المسلمین ان یحالفوا اھل غیر الملۃ لاجل فائدۃ المومنین بدفع الضرر او جلب المنفعۃ ولیس لھم ان یوالوھم فی شی یضر بالمسلمین وان لم یکونوا من رعیتہم وعدہ الموالاۃ لا تختص بوقت الضعف بل ھی جائزۃ فی کل وقت

جب کہ ضرر سے بچنے کے لئے کفار سے موالات جائز ہے تو مسلمانوں کی منفعت کے لئے تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اس بنا پر فرماں روایان اسلام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے غیر مسلم سلطنتوں کے حلیف بنیں جس سے دفع ضرر مقصود ہو یا تحصیل منفعت۔ ہاں یہ جائز نہیں کہ وہ غیر مسلم سلطنتوں سے اس طور پر موالات کریں جو مسلمانوں کے لئے مضر ہو خواہ وہ مسلمان ان کی رعیت نہ ہوں۔ دول غیر مسلم سے ہر وقت موالات کرنا جائز ہے یہ ضرور نہیں کہ اسی وقت موالات کیجائے جب مسلمان کمزور ہوں۔

(تفسیر القرآن جلد ثانی صفحہ ۲۹۰)

(۷)

باکورۃ البحث

اگرچہ قرآن مجید کی آیات اور ائمہ تفسیر کے بیانات سے ترک موالات کی صحیح حقیقت واضح ہوچکی ہے جو طمانیت خاطر کے لئے کافی ہے تاہم مزید اطمینان کے لئے قرآن مجید کے بعض

بلیغ اشارات اور آنحضرت صلعم وصحابہ کرامؓ کے طریق عمل کا بھی مختصر طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے اگرچہ کتب تفسیر وحدیث میں ان امور کے متعلق کافی ذخیرہ موجود ہے۔

(الف) اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بہا ویستہزأ بہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (سورۂ نسا)

جب تم خدا کی آیتوں پر انکار کرتے اور تمسخر کرتے ہوئے سنو تو اُن کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری گفتگو میں مشغول ہو جائیں۔

(ب) واذا رایت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (سورۂ انعام)

جب تم دیکھو ان کو کہ ہماری آیتوں میں تمسخر کے ساتھ مشغول ہیں تو اُن سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مصروف ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ کفار اپنی صحبت میں از راہ خباثت وشرارت قرآن مجید پر تمسخر کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ جب کفار اس قسم کی گفتگو میں مشغول ہوں تو اُن کے پاس نہ بیٹھو ان آیات سے ضمناً صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس وقت بیٹھنے کی ممانعت ہے جب کہ وہ تمسخر میں مشغول ہوں، دوسرے اوقات میں اُن کے پاس کسی ضرورت سے آمد ورفت رکھنے یا بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ یہی معنی مفسرین نے بھی مراد لئے ہیں۔

والمعنی لا تقعدوا معہم وقت کفرہم واستہزائہم بالآیات (تفسیر روح المعانی)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے پاس اُس وقت نہ بیٹھو جب کہ وہ آیات کا انکار اور ان پر تمسخر کر رہے ہوں۔

فنہی المسلمین عن القعود معہم ما داموا خائضین فیہ (تفسیر مدارک)

پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُن کے پاس بیٹھنے کی ممانعت کی جب تک کہ وہ اس (تمسخر) میں مشغول رہیں۔

فرعون سے زیادہ کون کافر ہو سکتا ہے جو الوہیت کا مدعی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اس کے متعلق حسب ذیل ہدایت کی جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

(ج) فقولا لہ قولا لینا لعلہ

یعنی تم دونوں (فرعون کے ساتھ) نرمی سے بات چیت

ینذکر او یخشیٰ

کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔

ایک دوسرے موقعے پر خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرماتا ہے۔

(۶) ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن

لوگوں کو خدا کے رستہ کی طرف حکمت و پسندیدہ موعظت کے ساتھ بلاؤ اور خوش اسلوبی کے ساتھ ان سے بحث کرو

ایک اور مقام پر آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے۔

(۵) لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک

اگر تم تیز مزاج ہوتے تو لوگ تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

(۶) ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ

نہ آمادہ کرے تم کو عداوت کسی قوم کی اس امر پر کہ تم عدل نہ کرو عدل کرو کیونکہ وہ تقوے سے زیادہ قریب ہے

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

المعنی لایحملنکم بغض قوم علی ان تجوروا علیھم وتجاوزوا الحد فیھم بل اعدلوا فیھم وان اساؤا علیکم احسنوا الیھم وان بالغوا فی ایحاشکم فھذا خطاب عام ومعناہ امر اللہ تعالیٰ جمیع الخلق بان لا یعاملوا احدا الا علی سبیل العدل والانصاف وترک المیل والظلم والاعتساف

آیت کے معنی یہ ہیں کہ نہ آمادہ کرے تم کو عداوت کسی قوم کی اس امر پر کہ ظلم کرو تم ان پر اور تجاوز کر جاؤ حد سے ان کے معاملہ میں اگرچہ برائی کریں وہ تمھارے ساتھ۔ احسان کرو تم ان کے ساتھ اگرچہ کوشش کی ہو انھوں نے تمھارے بھڑکانے میں۔ یہ خطاب عام ہے یعنی خدا تمام مخلوق کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں اور ظلم و زیادتی سے احتراز کریں۔

اس آیت کا مطلب صاف ہے کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ خدا تعالیٰ ہم کو صاف صاف ہدایت کرتا ہے کہ اگر ہم کو کسی قوم سے عداوت ہو تو ہم اس دشمنی کی وجہ سے عدل و انصاف کو

نہ چھوڑیں بلکہ دائرہ اعتدال کے اندر رہیں۔ اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی ہدایت کفار کے مظالم کے سلسلہ میں کی ہے کہ جو کچھ کفار نے تمھارے ساتھ کیا ہے اسی قدر تم بھی ان کے ساتھ کرو، حد سے زیادہ نہ کرو۔

جنگ تو گویا قتل و غارت گری کا دوسرا نام ہے، اس لئے یہ ظاہر ہے کہ حالت جنگ میں کشت و خون کی ممانعت نہیں ہو سکتی، اس لئے تحفظ اسلام اور مدافعت عن الاوطان کے لئے مسلمانوں کو جنگ کا حکم ضرور دیا گیا ہے، لیکن اس کے لئے بھی اسلام نے اصول و قوانین وضع کئے ہیں اور قطعی طور پر یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ وہ تمام مہذب دنیا کے قانون جنگ سے زیادہ برتر و اعلیٰ ہیں، کیونکہ جنگ کی حالت میں بھی مسلمانوں کو ہر قسم کی زیادتی کی، یعنی سرسبز و شاداب کھیتوں کے جلانے اور عورتوں و بچوں کے قتل کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ حالت جنگ کے احکام حالت صلح سے علٰحدہ ہیں لیکن اسلام حالت جنگ میں بھی حد اعتدال سے تجاوز کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے محاربات کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے حالت جنگ میں جو طریق عمل اختیار کیا مہذب دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے آج تک عاجز ہے۔ اسلام کی یہی تہذیب و شائستگی ہے جس کو آج بھی وہ مدعیانہ حیثیت سے پیش کر سکتا ہے۔ پس جو مذہب اس طرح عدل و انصاف کا علمبردار ہو اس کے متعلق ہم کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علی الاطلاق ہم کو دوسروں سے انقطاع کلی یا بدسلوکی کا حکم دیتا ہے، اس کے علاوہ خود صاحب شریعت جناب رسول کریم صلعم کی حیات طیبہ کی نظیر ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ کا طریق عمل کفار کے ساتھ کیا تھا۔

طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے۔

کان یقبل بوجہہ وحدیثہ علی شر القوم یتألفہ بذلک	یعنی آنحضرت صلعم بغرض تالیف قلوب برے لوگوں سے بھی متوجہ ہو کر گفتگو فرماتے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ — یعنی جب کسی قوم کا کوئی سردار تمہارے پاس آئے تو تم اس کا اکرام کرو

شارحین حدیث نے اس کی تصریح کردی ہے کہ اس میں کافر یا مسلمان کی قید نہیں، کسی قوم کا سردار ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو درداء سے منقول ہے اور تفسیر ابن کثیر میں بھی سورہ آل عمران کی آیت لا یتخذ المومنون الخ کی تفسیر میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

انا لنکشر فی وجوہ اقوام وان قلوبنا لتلعنہم — یعنی ہم بعض قوموں سے بخندہ پیشانی ملتے حالانکہ ہمارے دل ان سے بیزار ہیں۔

علامہ ابن حجرؒ اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں

قال ابن بطال المدارات من اخلاق المومنین وھی خفض الجناح للناس ولین الکلمۃ وترک الاغلاظ لہم فی القول — یعنی مدارات مسلمانوں کے عادات و اطوار میں سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص سے جھک کر (تواضع سے) ملنا نرمی سے گفتگو کرنا، بول چال میں سخت کلامی نہ کرنا۔

ہم نے بخیال اختصار اکثر روایات کو جو اس مسئلہ سے تعلق رکھتی ہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام نے تمام مخلوقات کے ساتھ حسن معاشرت اور عدل و انصاف کرنے کی تعلیم دی ہے اور اعتدال سے تجاوز کرنے کو منع فرمایا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو کفار کے ساتھ مدارات یا حسن معاملات کی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ مداہنت فی الدین کی ممانعت ہے کہ ہم کسی غیر مسلم کی خاطر اپنے مذہبی احکام چھوڑ دیں اور دنیوی فائدہ کے لیے دین کا ضرر کریں۔ مداہنت کی تعریف حسب ذیل کی گئی ہے۔

ادھن الرجل فی دینہ وداھن فی امرہ اذا خان فیہ واظہر خلاف ما ابطن (تفسیر خازن جلد رابع) — یعنی جب کوئی شخص دین میں خیانت کرے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کے خلاف ظاہر کرے تو اہل عرب اپنی بول چال میں ادھن الرجل الخ یعنی مداہنت سے تعبیر کرتے ہیں

مشہور امام ادب، لغت مبرد کا قول ہے:-

داهن الرجل فی دینه وداهن فی — (اس عبارت کا مطلب بھی مندرجہ بالا عبارت کے
امرہٖ اذا خان واظہر خلاف ما اضمر — مطابق ہے)

اُمید ہے کہ تبہ مذکورہ بالا مباحث کے مطالعہ کے بعد ہمارے ناظرین اس نتیجہ پر پہنچیں گے
کہ اگرچہ کفار کے ساتھ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک قرآن مجید نے ترک موالات کا حکم
دیا ہے جو آج بھی اپنی اصلی صورت میں بلا شبہ واجب العمل ہے لیکن آج جو تعلیم کے مسئلہ کو ترک موالات
کے سلسلہ میں داخل کیا جاتا ہے اور سرکاری و امدادی اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے طلبہ
کو باز رکھا جاتا ہے یہ یقیناً ترک موالات کے ذیل میں نہیں آسکتا اور شرعاً اس کا کوئی ثبوت
نہیں ملتا۔ یہ خیال کہ ان درسگاہوں میں تعلیم پانا موالات کی ایک صورت ہے اور مذہباً ناجائز
ہے یقیناً غلط اور شریعت کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔

بے شبہ آزاد تعلیم کا خیال اپنی جگہ پر ایک قابل ستائش چیز ہے، لیکن یہ بھی کوئی نیا خیال
نہیں ہے قوم کے سربرآوردہ لیڈر اور ماہرین تعلیم مدت سے اس کی ضرورت محسوس کر رہے
ہیں، خود سرسید نے جو مسلمانوں میں گویا جدید تعلیم کے بانی اور مغربی علوم کے حامی تھے
نہایت صراحت کے ساتھ اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار
کیا ہے کہ ہمارا اصلی اور انتہائی مقصد یہ ہے کہ تعلیم بالکل آزاد ہو اور ہمارے ہاتھ میں ہو۔ سرسید
کے بعد بھی برابر یہ خیال ظاہر کیا جاتا رہا ہے کہ موجودہ طریقہ تعلیم میں بعض نقائص ہیں جن کی
اصلاح ضروری ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ مدت سے ملک میں زیر بحث ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ
کہ اس کا حل کیوں کر کیا گیا ہے۔ مسلمان طلبہ کو موجودہ تعلیم گاہوں سے دستکش ہونے کی
ہدایت کی جاتی ہے لیکن ان کی تعلیم کے لئے کوئی جدید نظام قائم نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ اس کے
سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ان نوجوان طلبہ کی تعلیمی زندگی بالکل برباد ہو جائے اور مسلمانوں کی
چہل سالہ جد و جہد اور صرفِ زر بے سود ثابت ہو اور اس کے معاوضہ میں کوئی دوسرا فائدہ
بھی ان کو حاصل نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ مذہباً ترک تعلیم ضروری ہے تو ہم اب تک قرآن مجید کی

کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی نقطہ نظر سے اس پر عمل کرنا ملک کے لئے مفید ہے تو یہ امر بھی بجائے خود مشتبہ ہے اور یہی سبب ہے کہ ہندوؤں میں اب تک اس تحریک کا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ ہندوؤں کے اکثر سربرآوردہ لیڈر جن کی ساری عمر اپنی قوم کی خدمت اور گورنمنٹ کے برخلاف ایجیٹیشن پھیلانے میں گزر گئی ہے اور جن کے متعلق قطعاً یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ گورنمنٹ سے سازش رکھتے ہیں یا اپنی قوم کے ساتھ خیانت اور دغا بازی کرنا چاہتے ہیں وہ بھی جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے اس تحریک کے شدت سے مخالف ہیں اور اس کو خود سیاسی نقطہ نظر سے ملک کے لئے اور اپنی قوم کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں اور ان میں سے متعدد اشخاص ایسے ہیں جو اس تحریک کے خلاف مصروف عمل ہیں دراں حالیکہ وہ سیلف گورنمنٹ کے بھی حامی ہیں اور گورنمنٹ کے خلاف ایجیٹیشن بھی پھیلا رہے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے بھی ہم یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اگر ہندو لیڈر اس تحریک کو ملک کے لئے مفید سمجھتے تو فوراً سرگرمی سے اس پر عمل شروع نہ کر دیتے۔

یہ حالت تو اس قوم کی ہے جو تعداد میں دولت میں اور تعلیم میں ہم سے زیادہ ہے اور جس کے متعدد اسکول و کالج ہندوستان میں موجود ہیں اور جو اپنی تعداد، دولت اور احساس بیداری کی بدولت یہاں تک استطاعت رکھتی ہے کہ اگر ایک دفعہ عزم کرے تو تمام ہندوستان میں نیشنل اسکول و کالج قائم کر کے اپنی قوم کے لئے آزاد تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے، لیکن اس قوم کی دور شناسی اور انجام بینی لائق صد تحسین و آفرین ہے کہ وہ ہنگامی جوش سے متاثر ہو کر کوئی کام کرنا نہیں چاہتی اور اس شور و ہنگامہ کے زمانہ میں بھی ایک لمحہ کے لئے نہ تو اپنے قومی مفاد سے چشم پوشی کرتی ہے اور نہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مطالبہ سے دستکش ہونا چاہتی ہے، لیکن برخلاف اس کے مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کون دانشمند ایک لمحہ کے لئے

بھی یہ امید کرسکتا ہے کہ مسلمان اس قدر احساس و استطاعت رکھتے ہیں کہ وہ موجودہ نظام تعلیم کو برباد کرکے تمام مسلمانان ہند کے لئے ایک جدید، مکمل اور آزاد نظام تعلیم قائم کردیں گے اور قوم کے نوجوانوں کی عمریں ضائع نہ جائیں گی ؎

این خیال ست و محال ست و جنوں

ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ جب مسلمان موجودہ "سحر" سے باہر نکلیں اور ان کو غور کرنے کا موقع ملے کہ انھوں نے کیا "کھویا اور کیا پایا" تو ان کو ماتم کرنا پڑے۔ کاش! کہ وہ ابھی سے غور کریں کہ ان کو ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنی ہستی قائم کرنے کے لئے اس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، لیکن کس کو امید ہے کہ گرد و پیش کی ہنگامہ آرائیاں ان کو اس پر غور کرنے کا موقع دیں گی۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

(۸)

تلخیص البحث

تمام مذکورہ بالا مباحث کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ترک موالات کفار ایک مذہبی حکم ہے اور جس طور پر شریعت نے اس کا حکم دیا ہے اس کے مطابق آج بھی واجب العمل ہے اور ہمیشہ واجب العمل رہے گا۔

۲۔ کفار سے اس قسم کے تعلقات رکھنا جس سے اسلام کو یا مسلمانوں کو مضرت پہونچنے کا اندیشہ ہو یا مسلمان مداہنت اور خیانت فی الدین پر مجبور ہوں ناجائز و حرام ہے۔

۳۔ کفار کے ساتھ حسن معاشرت برتنا، دنیوی اور کاروباری تعلقات رکھنا، ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنا اور معاملات و کاروبار میں دیانت اور ایمانداری سے کام لینا اور جو معاہدہ یا وعدہ ان سے کیا جائے اس کی پابندی کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ حسن معاشرت کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا کہ اسلام نے اہل کتاب یعنی

یہودی اور عیسائی عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات کو بھی جائز رکھا ہے اور اس پر ابتداء سے اب تک مسلمانوں کا عملدرآمد بھی رہا ہے، پس کیا شادی کے بعد بیوی سے بوجہ کافر ہونے کے قطع تعلق رکھنے کا شریعت حکم دیتی ہے؟

۴ - دفع مضرت یا حصول منفعت کے لئے کفار سے تعلقات پیدا کرنا، یا عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ان سے کوئی معاہدہ کرنا جائز ہے۔

۵ - مسئلہ تعلیم شرعاً ترک موالات کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو طلبہ اسکولوں یا کالجوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ درحقیقت کسی غیر مسلم جماعت سے موالات نہیں کرتے اور نہ ان کے تعلیم جاری رکھنے سے اسلام کو یا مسلمانوں کو کوئی ضرر پہونچتا ہے، اس لئے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۹)

عرض مدعا

علماء و ارباب بصیرت کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کسی جماعت کی تائید یا کسی گروہ کی دلشکنی اور اس کی نیت پر حملہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ بقدر اپنے فہم و استطاعت ترک موالات کی شرعی حیثیت مسلمانوں پر ظاہر کردیں اور جہاں تک اس تحریک کا تعلق تعلیم سے ہے مسلمانوں سے یہ التجا کریں کہ وہ اس پر کافی غور کرنے کے بعد قدم بڑھائیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک خاص حالت ہے اور یہ زمانہ ان کے لئے نہایت نازک ہے۔ بغیر ثبات و استقامت اور اعتماد علی النفس کے وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ خدا تعالیٰ کے بعد ان کو صرف اپنی ذات پر اعتماد کرنا چاہئے اور گرد و پیش کے تمام حالات کو ملحوظ رکھ کر بیداری و ہوشمندی سے کام کرنا چاہئے قوم کے سربرآوردہ اصحاب اور علمائے کرام سے اُمید ہے کہ وہ اس نازک موقع پر صحیح طریقہ سے مسلمانوں کی رہنمائی کرینگے اور ماحول سے متاثر ہوکر اور منفعت عاجلہ پر اعتماد کرکے

مداہنت فی الدین کو جائز نہ رکھیں گے۔ ان کو توکلاً علی اللہ عزم و استقامت سے پرستاران توحید کی حمایت کرنا چاہئے۔

چونکہ اس وقت مسئلہ تعلیم کے متعلق جدید تحریک نے مختلف مباحث مسلمانوں کے سامنے پیش کردیئے ہیں، اس لئے اس موقع پر یہ ظاہر کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ ہمارے نزدیک خالص مذہبی تعلیم کو البتہ حکومت کی اعانت سے آزاد ہونا چاہئے، خواہ وہ حکومت مسلم ہو یا غیر مسلم، اس لئے کہ غیر مسلم حکومت سے تو خالص مذہبی تعلیم کے لئے اعانت حاصل کرنا یقیناً ناموزوں ہے اور یہ امر مسلمانوں کی قومی حمیت کے بھی خلاف ہے کہ وہ اپنی مذہبی تعلیم تک کا بھی انتظام نہ کرسکیں۔ اور اس معاملہ میں بھی گورنمنٹ کی اعانت کا سہارا ڈھونڈہیں اور ممکن ہے کہ اسی کی وجہ سے وہ بعض اوقات مداہنت پر مائل ہوں۔ اس کے علاوہ درحقیقت کسی گورنمنٹ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ملک کی ہر جماعت کی مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کرے۔ مسلم گورنمنٹ کے متعلق بھی ہمارا یہی خیال ہے کہ جو مذہبی مدارس کسی مسلم حکومت کے ماتحت ہوں ان کو بھی حکومت کی اعانت و اثر سے آزاد ہونا چاہئیے کیونکہ مذہب کبھی حکومت کی تغیر پذیر پالیسی کے دوش بدوش نہیں چل سکتا۔ بظاہر یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور مذہبی علوم کے عروج و زوال کی تاریخ کو بغور دیکھا ہے وہ ہمارے اس خیال کی تائید کرینگے کہ تا وقتیکہ مذہبی تعلیم ہر قسم کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ ہو علما اپنے منصبی فرائض کو ہرگز انجام نہیں دیسکتے یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات سلاطین کی حمایت و حوصلہ مندیوں نے علوم و فنون کی ترقی و اشاعت کے لئے آب حیات کا کام دیا ہے اور ان کی یہ حمایت ہمیشہ مفید ثابت ہوگی، لیکن مذہبی تعلیم کی آزادی کی بحث بالکل ایک جداگانہ بحث ہے۔ افسوس کہ قلت گنجائش کی وجہ سے ہم اس پر مفصل نہیں لکھ سکتے، اس لئے صرف اس قدر عرض کرنے پر قناعت کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے اس فرض کو محسوس کریں اور عملاً اپنی قومی حمیت کا ثبوت دیں۔

آخر میں ہم مکرر علمائے کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ موجودہ کشاکش میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں اور سیاسی اثرات سے قطع نظر کرکے مسئلہ ترک موالات کی دیانتاً جو حقیقت ان کے نزدیک ہو اس کو مسلمانوں پر ظاہر کریں تاکہ ان کو طمانیت حاصل ہو اور اختلاف افکار و خیالات نے جو صورت اس وقت پیدا کردی ہے اس سے مسلمان نجات حاصل کریں۔ مسلمانوں کے موجودہ حالات سے متاثر ہو کر اس مسئلہ کی جو شرعی حیثیت ہمارے نزدیک تھی وہ ہم نے ظاہر کردی۔ اور یہ امر نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مسئلہ تعلیم کو ترک موالات سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی ترک تعلیم، ترک موالات میں شرعاً داخل نہیں ہے۔ بلکہ خود کفار سے کسی فن کی تعلیم حاصل کرنا شرعاً جائز اور ثابت ہے، بوقت ضرورت اس مسئلہ پر اور زیادہ تفصیل سے لکھا جا سکتا ہے، اس تحریر سے ہمارا مقصود کسی مسئلہ شرعی پر فتویٰ دینا اور لوگوں کو اس کی اطاعت پر مجبور کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ فتویٰ دینا ہمارا منصب نہیں ہے یہ ان علمائے کرام کا فرض ہے جو اس خدمت کو ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں اس لئے ان کو اس موقعہ پر بھی اپنا فرض منصبی انجام دینا چاہیئے۔ والسلام

واقعاتِ مابعد

ایشیا خصوصاً ہندوستان پر جمود کا الزام لگایا جاتا ہے کہ یہاں قرن کے قرن گزر جاتے ہیں اور کسی قسم کا تغیر و انقلاب نہیں ہوتا، بے شبہ یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن ہندوستان جدید کے متعلق شاید یہ خیال صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ہم برابر دیکھ رہے ہیں کہ آغاز جنگ یورپ سے ہندوستان میں نہایت اہم تبدیلیاں اس سرعت سے ہو رہی ہیں کہ انہوں نے ہم کو آئندہ کے متعلق کسی قسم کی پیشین گوئی کرنے کے ناقابل بنا دیا ہے، خصوصاً جب سے تحریک ترک موالات کا آغاز ہوا ہے غیر متوقع واقعات پیش آ رہے ہیں۔

اب تک عام مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک کا ہندو مسلمان دونوں یکساں گرم جوشی سے خیر مقدم کرینگے۔ لیکن رسالہ بالا کے مطبع جانے کے بعد اس تحریک نے جو صورت اختیار کی ہے وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کے مستقبل کو نہایت تاریک بنا دیا ہے، اور اب یہ حقیقت عام طور پر آشکار ہو چکی ہے کہ ہندوستان کی کسی ہندو درسگاہ میں اس تحریک کا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ اور اُن کے تمام اسکول و کالج بدستور جاری ہیں اور قابل اطمینان طریقہ سے کام کر رہے ہیں، یعنی اس تحریک کے سلسلہ میں اُن کا ایک اسکول بھی بند نہیں ہوا، سب سے آخری سہارا ہندو یونیورسٹی کا تھا جہاں تازہ انقلاب کی توقع کی جاتی تھی لیکن کارکنان ہندو یونیورسٹی نے اس تحریک کو ملک کے لئے مضر قرار دیا اور مسٹر گاندھی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا، البتہ اس تحریک کا اس قدر نتیجہ ضرور ہوا کہ برادران وطن نے اپنی موجودہ درسگاہوں کو قائم رکھتے ہوئے آزاد درسگاہوں کی بنیاد رکھنے کا کام بھی شروع کر دیا۔

دوسری طرف یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کے قریب قریب ہر اسکول اور کالج میں انقلاب پیدا ہو گیا اور آزاد تعلیم کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں، گویا صورت واقعہ یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی تحریک کے دو پہلو تھے جس کو ہم تخریب و تعمیر سے نامزد کرتے ہیں، یعنی موجودہ درسگاہوں کی

تخریب اور آزاد درسگاہوں کا قیام، بدقسمتی سے تقسیم عمل اس طرح واقع ہوئی کہ مسلمانوں نے پہلی صورت اختیار
کی اور اللہ اکبر کہہ کر تخریب کا کام شروع کر دیا اور برادران وطن نے دوسری صورت کو پسند کر کے تعمیر کی
بنیاد رکھی، لہذا اگر یہ مشتبہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس تخریب سے ملک کی آزادی وابستہ ہے جب بھی
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تنہا مسلمانوں کا عمل تخریب ہندوستان کی آزادی کی ضمانت کر سکتا ہے؟
یہ ایک سوال ہے جس پر مسلمانوں کو اپنی زندگی کے خاموش اور پرسکون لمحوں میں غور کرنا چاہیے۔

آج ہندوستان میں غالباً ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس کو موجودہ تعلیم کے نقص
یا آزاد تعلیم کی شدید ضرورت کا اعتراف نہ ہو، اور جو ہندوستان کی فلاح و آزادی کو پسند نہ کرتا ہو،
لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ ہم جس راستہ پر جا رہے ہیں کیا وہ ہم کو اس مقصد تک پہنچا دیگا؟ یہ ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق تمام
ملک سے ہے، اس لئے ہر ہندوستانی کو یہ آزادی حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اس معاملہ پر صاف طور سے اپنے خیالات
ظاہر کرے، کسی تحریک کو ملک کے سامنے پیش کرنے کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ لوگوں کو اس پر مباحثہ کا حق
دیا گیا ہے، اس لئے ہمارا خیال ہے کہ لوگوں کو اس کا موقع دینا چاہیے کہ وہ موجودہ تحریک کے ہر پہلو پر آزادی
سے بحث کریں تاکہ اطمینان بخش نتائج ظاہر ہوں، اور پبلک کسی صحیح نتیجہ تک پہونچے، لیکن ہم کو افسوس
ہے کہ جو لوگ نیک نیتی سے "ترک تعلیم کی تحریک" سے اختلاف کرتے ہیں اور اس کو ملک کے لئے
مضر سمجھتے ہیں ان کو دل آزار الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، کیا جو لوگ گورنمنٹ سے آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور
زبان و قلم کی کامل آزادی حاصل ہونے پر جوش و غضب کا اظہار کرتے ہیں، ان کے لئے یہ روبہ زیبا ہے؟ یاد رکھنا
چاہیئے کہ قومیت کی بنیاد ہنگامی جوش پر نہیں رکھی جا سکتی، بلکہ علمی قوت پر رکھی جاتی ہے، اور ملک کے قوائے عمل اس وقت
تک بیدار نہیں ہو سکتے ہیں جب تک کہ کامل یقین نہ حاصل ہو اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ لوگوں کو غور
کرنے اور خود فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

امید ہے کہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے ارباب نظر اس پر غور فرمائینگے اور اپنے ضمیر کی رہنمائی کے مطابق ان نازک گھڑیوں میں اسلام کی
خدمت کے لئے مستعد ہو جائینگے، کیونکہ آج اسلام اپنے ہر فرزند سے اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی حمایت کے لئے آمادہ
ہو جائے۔ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

والسلام ۱۳۴